سخنان

ایک گھرانا — اجتہاد کے نام

انسان گھر سے جنم لیتا ہے، اس پر اپنی نیم پلیٹ لگا دیتا ہے، گھرانہ بناتا ہے، گھر، گھرانہ سے اپنی زندگی کا فسانہ بناتا ہے۔ گھرانے میں جی جان لگا دیتا ہے، پھر گھر، گھرانا چھوڑ جاتا ہے۔ گھر سے اس کی نیم پلیٹ اتر جاتی ہے۔ لیکن گھرانے سے اس کا نام جانے کا نہیں ہوتا۔ کچھ کے نام سے گھرانا آگے بڑھ کر قبیلہ بنتا ہے، اور آگے (پرانی اصطلاح کی) قوم/Nation۔ گھر سے قوم تک اسی مورث اعلیٰ یا Patriarch کا نام ہی سرنامہ ہوتا ہے، اسی کا نام ہوتا ہے، اسی کا نام رہتا ہے، اسی کا کام ہوتا ہے، اسی کا گن گان ہوتا۔ (خدانہ کرے ایسے میں اس کا نام گوڑ دیا جائے، کام الٹ پلٹ دیا جائے۔) لیکن خاندانوں کی تاریخ میں ہمیں ایک خاندان ملتا ہے، جس کا نام اپنے مورث اعلیٰ کے نام کے بجائے کام (یا صفت) پر پڑا، اور قریب دو سو سال سے اپنا یہ امتیاز باقی رکھے ہوئے ہے۔ (انیسؔ، دبیرؔ، امانتؔ جیسے نہ جانے کتنے شاعروں کا خاندان کا خاندان شاعر ملتا ہے، ایسے ہی کتنے حکیموں کے خاندان میں حکیمی/طبابت پلتی پھلتی رہی، لیکن کسی کو خاندان شاعری یا خاندانی حکیمی کا نام نہیں ملا۔ کچھ خاندانوں نے اپنے مورث اعلیٰ کے سرکاری منصب قاضی یا مفتی کو اپنا خاندانی امتیاز و اعزاز بنا کر افراد خاندان کے ناموں کا جزو (ردیف) بنا دیا لیکن وہاں بھی خاندانِ قضا یا خاندانِ افتا نہیں کہا گیا۔) اس طرح 'خاندان اجتہاد' کا کوئی ہم قافیہ خاندان نظر نہیں آتا۔

تلوار اور ہل کے پس منظر سے ابھرنے والا اس ممتاز خاندان کا مورث اعلیٰ علم و عقل کی فصلیں لگاتا اور اگاتا رہا قلم سے مجاہدہ کرتا رہا، دانشوری پر اپنی دھاک جما گیا۔ سید دلدار علی نام کا یہ پیارا دھرتی پتر عبقری شخصیت بڑا فیض بخش عالم و معلم اور مصنف اور ہندوستان کا پہلا مجتہد ہی نہیں بلکہ اجتہاد اور مسلک اجتہاد (اصولی) کے بانی، ایک فکری انقلاب کے موسس و قائد اور ایک سماجی مصلح کے طور سے بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے مجاہدانہ مصنفات، ناصحانہ تعلیمات، مبلغانہ موعظات، روحانی تعمیرات، مجتہدانہ افکار اور مصلحانہ کردار نے اپنی تاریخ رقم کی۔ اس کے بعد جب 'شاہی حکومت' کچھ جگی تو اسے 'بعد از مرگ' (وفاتی) خطاب غفران مآب بھی دے دیتی ہے۔ پھر یہی خطاب اس کی پہچان بن گیا، آج تک اسی سے اس کی شہرت ہے، شہر شہر اس کا شہرہ ہے۔

دلدار علی سے غفران مآب تک (۱۷؍ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ/ فروری ۱۷۵۳ء — شب ۱۹؍رجب ۱۲۳۵ھ/ ۳؍مئی ۱۸۲۰ء) اس کا امر سفرِ حیات زندہ تاریخیں بناتا رہا، اس کی تعلیم و تعلم کا راج بناتا، پھیلاتا رہا، اس کے اپنے سماج کو سدھارتا رہا، اجتہاد کا سکہ چلاتا رہا۔ اس ضمن میں ایک اور بات بڑے زور و شور کے ساتھ اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ وہ ہے شیعہ سماج کا تشخص بنانا۔ حضرت غفران مآب کے بارے میں لکھنے والے ان کے اہل خاندان اور دوسرے صاحبان قلم تقریباً سب کے سب اس نکتہ پر بیک زبان متفق ہیں۔ لیکن ان سب کے علم و نظر پر بھرپور اعتماد کے ساتھ پورے ادب سے مجھ سا بے بہرہ علم و نظر کچھ اختلاف کی جسارت کرتا ہے۔ ان حضرات کا نظریہ ٹھوس بنیادوں پر ہی ہے، اس پر کسی جملۂ معترضہ داغنے کی ہمت تو کر ہی نہیں سکتا، مگر سنتا ہوں، اختلاف رائے علم و بینش کی نگاہ میں تحقیرانہ اعتراض نہیں سمجھا جاتا، اسی کے بل بوتے پر اس اختلاف کو ظاہر کرنے کی ہمت جٹا پائی ہے۔ دیکھئے! حضرت غفران مآبؒ سے بہت پہلے ہی ہندوستان میں شیعہ اپنی پہچان بنا چکے تھے۔ جنوبی ہند میں کئی خاندانی حکومتیں بنا چکے تھے جو کئی پشتوں تک اٹل رہیں۔ شمالی ہند میں بھی شیعیت کی جڑیں اس حد تک مستحکم اور پھیل چکی تھیں کہ بعض مورخوں کو بہت کھلنے لگا تھا۔ 'تحفہ اثناعشریہ' کی تصنیف کا مقصد انہی شیعہ اثرات و رسوخ اور فکری مقبولیت کا سد باب ہی تھا۔ شیعوں کا عام دبدبہ تھا کہ اسے فرضی نام اور ولدیت سے منظر عام پر لایا گیا، پھر اس کی پہلی برجستہ رد لکھنے والے سید محمد میرزا کامل (شہید رابعؒ) کو کھلے عام نہیں، چھپ کر دھوکے سے قتل (شہید) کیا گیا۔ ایک اور بات کم قابل غور نہیں ہے کہ حضرت غفران مآبؒ کے مافی الضمیر میں شیعوں کا علیحدہ تشخص بنانا ہوتا تو وہ خود اور ان کے خاندان کا طرہ اتحاد بین المسلمین نہ بنتا۔ ہمارے زمانے اور ماضی قریب میں جب شیعہ سنی تفرقہ اپنے شباب پر پہنچ چکا تھا، ان کے خاندان والے اپنے ہم مسلکوں کے سخت طعن و طنز کے باوجود بڑی ہی مضبوطی اور مستقل مزاجی سے ملت اسلامیہ کے اتحاد کے علمبردار بنے رہے۔ یوں بھی شیعہ تاریخ اتحاد اسلامیہ ہی نہیں، اتحاد انسانی سے ممتاز ہے، چار مینار کی قسم۔ جس بات کی بنا پر غفران مآب کی ذات میں شیعہ سماجی پہچان کا بانی دکھائی دیا، وہ لکھنؤ میں قائم ہونے والا علیحدہ جمعہ اور جماعت ہے۔ علیحدہ جمعہ و جماعت کی تحریک حضرت غفران مآب کی نہیں تھی بلکہ یہ سراسر سیاسی تحریک تھی۔ اس جماعت کے امام کی خالی جگہ پُر کرنے (Filling the gap) کے لئے دنیا کی نظر غفران مآبؒ کی نمایاں دینی شخصیت پر مرکوز ہو کر رہ گئی جسے انہوں نے مایوس نہ کیا۔ اس طرح شیعہ دینی قیادت کی خالی جگہ بھی انہیں سے پُر ہوئی۔ یوں بھی میرے ناقص خیال میں اس جمعہ و جماعت کا خطاب مسلم اکثریت (اہل سنت) سے کہیں زیادہ اس وقت کی شیعہ اکثریت کے خلاف جاتا ہے جس کے عقیدہ کی رو سے غیبت امامؑ میں جمعہ کا قیام ہی جائز نہیں۔ اس طرح علیحدہ شیعہ سماجی پہچان سے غفران مآب کا کچھ لینا دینا ہے اور نہ ہی ان کے اجلے دامن پر مسلم ایکتا کو بھنگ کرنے کا دھبہ لگ سکتا ہے۔ ان کی ہستی تاریخ میں اس شیعہ قیادت (اور سماج) سے پوری طرح ہم آہنگ رہی جس نے کبھی بھی ملت اسلامیہ سے الگ اپنی پہچان بنانے کی نہ کوشش کی، نہ ہی

ضرورت محسوس کی۔ (راقم الحروف اس سلسلہ میں پہلے کچھ معروضہ پیش کر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو: 'ایک گزارش' مشمولہ 'ہندستان میں شیعیت کی تاریخ اور وصیت نامۂ غفران مآبؒ، شائع کردہ نور ہدایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ)۔

بہرحال حضرت غفران مآب کی فخر اسلاف و اخلاف شخصیت ہماری عقیدتوں کا مرکز ہے۔ انہیں کو ایک خراج عقیدت کے طور پر 'خاندان اجتہاد نمبر' کا سالانہ سلسلہ 'نور ہدایت' نے شروع کیا ہے۔ زیر نظر رسالہ اس سلسلہ کی گیارہویں کڑی ہے۔

آپ کی ضیافت نظر کی خاطر یہاں 'حیات فردوس مکان' (علامہ ہندی سید احمد نقوی) اور 'سید العلماء کی شخصیت۔۔۔۔۔: شخصی مرثیوں کے حوالہ سے (م۔ر۔عابد) کے ذریعہ خاندان اجتہاد کی دو نمایاں و نمودار علمی ہستیوں کا چنداں تعارف، 'جاوید اجتہادی' (فضل نقوی) کے وسیلہ سے ایک اور جاوداں اجتہادی شخصیت کا ادبی تعارف پیش ہے۔ نیز نہر آصفی کے تعارفی نوٹ (مولانا آغا مہدی) سے اودھ کے اس قابل فخر خیر جاریہ میں اس خاندان کے حصہ کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اس تدوین کے مضمون نگار (سوائے) م۔ر۔عابد اور بنت زہراء کے 'اجتہادی' اور خاندانی اہل قلم ہیں۔ ان کے نمونہ نگارش بھی اسی ضمن میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ 'خاندان اجتہاد' کی ایک اختصاصی ادیبہ ('ماہر اجتہادیات') محترمہ بنت زہراء نقویہ ندیؔ الہندی کا تازہ تالیفی مضمون ''تواریخ علمائے خاندان اجتہاد'' بھی آپ کی تازہ بصارتوں کے حوالہ ہے۔

امید ہے زیر نظر پیش کش کو 'خاندان اجتہاد' (جو محتاج تعارف نہیں ہے) کی تازہ تعارفی یاد دہانی کے طور پر ارباب علم و ذوق منظور نظر فرمائیں گے۔

م۔ر۔عابد

لکھنؤ